قسط : ۱

ہندوستان اور پاکستان کے علماء کرام نے جہاں موجودہ دور کے اقتصادی اور معاشی نظام میں غلط اور حرام چیزوں کی نشاندہی فرمائی ہے وہیں اسلامی قوانین کی روشنی میں ان کی جائز اور قابلِ عمل متبادل صورتیں بھی پیش فرمائی ہیں جس سے مغرب کے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں مزید کھل کر سامنے آجاتی ہیں اور اسلام کے اقتصادی نظام کی ہمہ جہتی بھی خوب اُجاگر ہوجاتی ہے اس موضوع کی مخصوص اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ادارہ اسلامی اقتصادی اور بینکاری کے ماہر علماء کرام کو اپنی قیمتی تحقیق اور تجاویز کو منظرِ عام پر لانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرنا ہے تاکہ اس کا دائرہ وسیع ہوکر اس کے مخفی گوشوں کو مزید اُجاگر کردے تاکہ وہ ایک دوسرے کے نکتہ نظر سے آگاہ ہوسکیں اور آراء کا باہمی اختلاف کم سے کم ہوکر یک جہتی پیدا کردے اور خوب سے خوب تر کا حصول آسان ہوجائے۔

زیرِ نظر مضمون جامعہ مدنیہ لاہور کے مفتی حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم کا تحریر کردہ ہے اور موجودہ دور میں جدید اسلامی بینکاری سے متعلق ہے۔ ادارہ دیگر اہلِ علم کی اسلامی اقتصادی اور معاشی تحقیقات کو بھی منظرِ عام پر لانے کی خدمت میں خوشی محسوس کرے گا۔ (ادارہ)

پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکاری کے چند واجبِ اصلاح اُمور

﴿ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالوحد صاحب ﴾

بسم اللہ حامداً ومصلیاً۔ اس دور میں اسلامی بینکاری سے متعلق کوششوں کی وجہ سے حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ اور ان کے صاحبزادے مولوی عمران عثمانی سلمہ منفرد اور امتیازی مقام حاصل کرچکے ہیں۔ ان حضرات کا یہ جذبہ کہ کسی طرح بینکنگ کا نظام شرعی بنیادوں پر استوار ہوجائے قابلِ قدر ہے۔ ان حضرات کی کوششوں سے میزان بینک کلی طور پر اور البرکہ بینک کا ایک کاؤنٹر اسلامی بینکاری کرنے کا مدعی ہے۔ اور یہ حضرات ان دونوں ہی بینکوں کے شرعی مشیر بھی ہیں۔

دوسرے مسلمانوں کی طرح الحمدللہ ہم بھی اسلامی بینکاری کے خواہش مند ہیں لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ نظام ایسی بنیادوں پر قائم ہو کہ کسی کو آسانی سے اسے اغوا کرنے اور غیر شرعی بنیادوں کی طرف دھکیلنا ممکن نہ ہو۔ رائج کردہ اسلامی بینکاری سے متعلق کچھ باتوں سے اختلاف تو ہمیں شروع سے تھا لیکن دستاویزی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے علی الاعلان اس

کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ابھی حال ہی میں مولوی عمران اشرف عثمانی سلمہ جو اسلامی اقتصادیات میں ماشاء اللہ پی ایچ ڈی اور ایم فل بھی ہیں ان کی ایک کتاب'' اسلامی بینکاری کے لیے میزان بینک کی رہنما''"Meezan Bank's Guide To Islamic Banking" بازار میں آئی تو اسلامی بینکاری کے اصول وفروغ پر دستاویز حاصل ہوئی۔اسلامی بینکاری کے اکثر وبیشتر اُصول وضوابط پر تو ہمیں ان سے اتفاق ہے البتہ کچھ فکری اور عملی پہلو ایسے ہیں جن کو ہم اسلامی بینکاری کے خلاف سمجھتے ہیں اور ہمیں قوی اندیشہ ہے کہ آگے چل کر یہی پہلو اسلامی بینکاری کو مکمل غیر اسلامی بنانے میں وسائل کا کام دیں گے۔

بینک کو سود سے پاک کرنے اور بلاسود بینکاری کے نظام پر غور کرنے کے لیے شعبان ۱۴۱۲ھ میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا اجلاس مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے دارالعلوم میں ہوا تھا۔اُس کی تجاویز احسن الفتاوٰی کی ساتویں جلد میں مذکور ہیں۔احسن الفتاوٰی کے مؤلف مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں :

> ''اس میں پاکستان بینکنگ کونسل کے دو ممبروں کو بھی شریک کیا گیا۔تجاویز کی تحریر میں ان کی زیادہ سے زیادہ رعایت رکھی گئی۔یہ بعض اُمور پر محض اس لیے مصر رہے کہ بینک کو زیادہ سے زیادہ نفع ہو علماء نے محض ان کی رعایت سے ان کی بعض نامناسب تجاویز کو بھی قبول کرلیا....'' (احسن الفتاوٰی ج ۷ ص ۱۱۵)

مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی دعوت پر راقم الحروف (عبدالواحد) بھی اس اجلاس میں شریک تھا۔نامناسب تجاویز کے خلاف میں نے اجلاس میں بھی آواز اُٹھائی اور بعد میں وہ نکات تحریری طور پر بھی بھیجے جو سب احسن الفتاوٰی کی ساتویں جلد میں شائع شدہ ہیں۔

اب ہمارے سامنے ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کی تجاویز بھی ہیں اور مولوی عمران اشرف سلمہ کی کتاب ''اسلامی بینکاری'' بھی ہے۔مولانا تقی عثمانی اور مولوی عمران اشرف عثمانی نے جو اسلامی بینکاری رائج کی ہے اس کے جن پہلوؤں سے ہمیں اختلاف ہے اور جن کو ہم اصل اسلامی بینکاری کے خلاف سمجھتے ہیں ان میں سے چند کو ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں اور ان پر اپنا تبصرہ پیش کرتے ہیں :

۱۔ نقصان کے تدارک اور خیرات کے نام پر بینک کا اپنے عمیل سے رقم وصول کرنا :

مجلس تحقیق کی تجاویز میں یوں ذکر ہے :

''غیر سودی نظام میں اگر قرض دار بر وقت ادائیگی نہ کرے تو اس کو سود کے بڑھنے کا خوف نہیں ہوتا.....بعض علماء عصر نے اس مسئلے کے حل کے لیے یہ تجویز پیش کی ہے :

عمیل سے عقد مرابحہ کرتے وقت یہ لکھوالیا جائے کہ اگر وہ ادائیگی کی اہلیت کے باوجود بروقت ادائیگی نہ کرسکا تو وہ اپنے واجب الاداء دین کا ایک مخصوص فیصد حصہ ایک خیراتی فنڈ میں چندے کے طور پر ادا کرے گا۔اس غرض کے لیے بینک میں ایک خیراتی فنڈ قائم کیا جائے گا جو نہ بینک کی ملکیت ہوگا اور نہ اس کی رقوم بینک کی آمدنی میں شامل ہوں گی بلکہ اس سے ناداروں کی امداد اور ان کو غیر سودی قرضے فراہم کرنے کا کام لیا جائے گا۔بعض مالکی فقہاء کے نزدیک ایسا التزام قضاءً بھی نافذ ہوجاتا ہے۔''(احسن الفتاوٰی ج ۷ ص۱۲۱)

ہم کہتے ہیں کہ یہاں تو یہ طے ہوا کی عقد مرابحہ کرتے وقت عمیل کو اس کا پابند کیا جائے گا کہ اگر وہ ادائیگی کی اہلیت کے باوجود بروقت ادائیگی نہ کرسکا تو اس کو خیراتی فنڈ میں واجب الاداء دین کا ایک مخصوص فیصد حصہ چندہ دینا ہوگا۔لیکن مولوی عمران صاحب اپنی کتاب اسلامک بینکنگ میں لکھتے ہیں کہ عدم ادائیگی کی وجہ سے بینک کو جو نقصان ہوتا ہے عمیل کو اس نقصان کا تدارک کرنا ہوگا۔ان کے الفاظ یہ ہیں :

Penalty of Default :

"Another issue with Murabahah is that if the client defaults in payment of the price at the due date,the price cannot be changed nor can penalty fees be charged.

In order to deal with dishonet clients who default in payment deliberately,they should be made liable to pay compensation to the islamic bank for the loss suffered on account of default."(P.129)

بروقت ادائیگی نہ کرنے پر جرمانہ :

''مرابحہ میں ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر عمیل معین تاریخ پر ادائیگی نہیں کرتا تو نہ تو قیمت میں

کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے۔لیکن بددیانت عمیل جو (مولوی عمران اشرف کے مطابق ایک مہینہ کی مہلت ملنے اور کوئی معقول عذر نہ ہونے کے باوجود) جان بوجھ کر بروقت ادائیگی نہیں کرتے ان سے نمٹنے کا یہی طریقہ ہے کہ ان کی عدمِ ادائیگی کی وجہ سے اسلامی بینک کو جو نقصان ہوا ہے ان کو پابند کیا جائے کہ وہ اس نقصان کے تدارک کے لیے اتنی رقم (بطور جرمانہ) ادا کریں۔''

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تدارک میں عمیل بینک کو جو رقم ادا کرے گا اسکو سود سے کیسے ممتاز کیا جائے گا۔ یہ تو بعینہ سود ہی ہوگیا اور آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا والی بات ہوگئی۔

البتہ اجارہ یا لیز (lease) میں مولوی عمران صاحب نے خیرات والے مسئلہ کو برقرار رکھا ہے لہٰذا لکھتے ہیں :

Penalty of late payment is given to charity :

.....The lessee may be asked to undertake that if he fails to pay rent on its due date,he will pay certain amount to a charity.For this purpose,the financier/ lessor may maintain a charity fund where such amounts may be credited and disbursed for charitable purposes,including advancing interest-free loans to the needy persons. (p.156)

تاخیر سے ادائیگی پر لیا جانے والا جرمانہ صدقہ کے مصرف میں خرچ ہوگا :

''مستاجر کو اس بات کا پابند کیا جاسکتا ہے کہ وہ یہ التزام کرے کہ اگر وہ کرایہ بروقت ادا نہ کرسکا تو وہ اتنی مخصوص رقم صدقہ کرے گا۔اس کی خاطر سرمایہ کار یا آجر ایک خیراتی فنڈ قائم کرے گا جس میں یہ رقوم جمع کی جائیں گی اور ضرورت مند افراد کو غیر سودی قرضوں کے اجراء سمیت وہ خیراتی مصرف میں خرچ کی جائیں گی۔''

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی جن غیر

مناسب تجاویز کی طرف اُن کے پہلے دیے گئے حوالہ میں اشارہ تھا ان میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی جو ابھی ہم نے ذکر کی۔ راقم الحروف نے اجلاس کے دوران بھی اور اجلاس کے بعد بھی آواز اُٹھائی۔ خود مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے احسن الفتاوٰی میں ہمارے اختلافی نکتہ پر لکھا :

''مجلس کی تجویز تو یہ ہے کہ یہ فنڈ بینک کی بجائے کسی ثالث کی تحویل میں رہے مگر بینک اپنی ہی تحویل میں رکھنے پر مصر رہے (احسن الفتاوٰی حاشیہ ص ۱۲۱ ج ۷)

ہم کہتے ہیں کہ مجلس نے اس وقت بھی بینک والوں کے اصرار کے آگے ان کو زیادہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی اور مولوی عمران اشرف نے بھی اپنی کتاب میں اس کو ایک ضابطہ کے طور پر تسلیم کرلیا ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں کہ بینک کا اس میں کچھ فائدہ ہی ہوگا جو وہ اصرار کر کے اس کو منوانے کے درپے ہوا ورنہ عام سمجھ کی بات ہے کہ بے فائدہ کام کو اپنے سر کون لیتا ہے۔ اور کچھ بھی نہ ہو تو غریبوں فقیروں پر تقسیم کر کے بینک کو نیک نامی تو حاصل ہوگی اور آج کے دور میں جبکہ ہر چیز کو روپے میں تولا جاتا ہے (یعنی Evaluate کیا جاتا ہے) تو اگر اس نیک نامی کو بھی روپوں میں تولا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بینک کو کتنا بڑا فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اور یہ تو سب سے کم فائدہ ہے ورنہ بینک اپنے ملازموں کو ضرورت مند Needy persons دکھا کر مکان کے لیے، کار کے لیے اور دیگر ضروریات کے لیے بلاسود قرضہ دے سکتا ہے۔ اپنے ہی ملازموں کو مجبور اور ضرورتمند دکھا کر ان میں خیرات کے طور پر رقم تقسیم کرسکتا ہے۔ غرض ایسے بہت سے کام ہوسکتے ہیں جو وہ اپنی آمدنی میں سے پورے کرنے کے بجائے اب وہ خیراتی فنڈ سے پورے کرسکتا ہے۔ اور ضرورت مند دکھانے کے لیے بینک کو خود اپنی طرف سے کچھ نہ کرنا ہوگا۔ اس کا صرف یہ کہنا کہ ضرورت مند سٹاف یا اس کے لواحقین فائدہ اُٹھاسکتے ہیں سب کام کرالے گا۔ غرض یہ ظاہری سود نہ ہو معنوی سود تو ہے اور اسلامی بینکاری میں ایسی چیز کو راہ دینا اس کی اساس کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔

۲۔ شیئرز کی خریداری :

مولوی عمران اشرف صاحب مرابحہ کے تحت حصص (shares) کی خرید و فروخت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں لکھتے ہیں :

"The shares of a lawful company can be sold or purchased on Murabahah basis because according to the principles of Islam,the shares represent

ownership into assets of the company provided all other basic conditions of the transaction are fulfilled."(page130)

''مرابحہ کی بنیاد پر کسی باقاعدہ کمپنی کے حصص خریدے اور فروخت کیے جاسکتے ہیں کیونکہ اسلامی اصولوں کی رو سے جبکہ عقد کی دیگر تمام بنیادی شرائط پوری کی جارہی ہوں یہ حصص کمپنی کے اثاثہ جات میں ملکیت کی دلیل ہیں۔''

"In an equity or mutual fund (unit trust)the amounts are invested in the shares of joint stock companies. The profits are mainly derived through thecapital gains by purchasing the shares and selling them when their prices are increased.Profits are also earned through dividends distributed by the relevant companies."(p,210)

''کسی ایکوئیٹی یا مشترکہ فنڈ سے جائنٹ سٹاک کمپنیوں کے حصص میں سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔ عام طور سے انہی حصص کو خرید کر اور جب ان کی قیمت میں اضافہ ہوجائے تو ان کو فروخت کر کے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں کمپنیاں جو نفع دیتی ہیں وہ بھی حاصل ہوتا ہے۔''

ہمیں سرمایہ کاری کی اس قسم سے بھی اختلاف ہے،اس لیے ہم حصص کی حقیقت اور ان کے حکم کے بارے میں عثمانی صاحبان کا مؤقف اور ان سے اپنا اختلاف ذکر کرتے ہیں :

کمپنی کی حقیقت :

عمران اشرف صاحب لکھتے ہیں :

".....As mentioned in the books and research papers of Islamic jurists,companies come under the ruling of Shirkat-ul-Ainan."(p.211)

''جیسا کہ فقہائے اسلام کی کتابوں اور تحقیقی مقالوں میں مذکور ہے کمپنیاں شرکتِ عنان کے تحت آتی ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ شرکت عنان کی بجائے اولاً یہ شرکت اموال ہے اور پھر عقد اجارہ ہے۔اس کا بیان یہ ہے کہ ابتدائی سرمایہ کاری کرنے والوں اور حصص کے خریداروں کا سرمایہ مل کر مشترک ہو جاتا ہے۔ یہ شرکت اموال کی صورت بن جاتی ہے۔ابتداء میں بظاہر تو حصص کی خرید نظر آتی ہے لیکن اصل میں یہ مختلف لوگوں کا اپنا سرمایہ اکٹھا کرنے کی صورت ہے۔

سرمایہ اکٹھا ہونے کے بعد کمپنی کے ڈائرکٹران اس سرمایہ سے کاروبار کرتے ہیں اور اپنے کام پر باقاعدہ اجرت وصول کرتے ہیں جو کمپنی کے اخراجات کی مد میں شمار ہوتی ہے۔تمام اخراجات نکال کر جو نفع ہوتا ہے وہ اصحاب حصص (جن میں سرمایہ کار اور عام حصہ دار دونوں شامل ہوتے ہیں ان) میں ان کے سرمایوں کے تناسب سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔اس کا طریقہ یہ کیا جاتا ہے کہ سرمایہ کو مثلاً دس دس روپے کے حصص کی صورت میں لیا جاتا ہے اور نفع کو کل حصص پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

اگر چہ عرف عام میں اس کو شرکت کہا جاتا ہے جیسا کہ خود عمران اشرف صاحب نے اس کو شرکتِ عنان کہا ہے لیکن شرعی نقطۂ نظر سے یہ معاملہ شراکت کا نہیں بلکہ اجارہ کا ہے جس کا بیان یہ ہے کہ ڈائرکٹران مشترکہ سرمایہ میں کاروبار کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے کام کی وجہ سے اُجرت لیتے ہیں۔غرض ان کا اُجرت لینا اسی بات کو متعین کرتا ہے کہ کمپنی کے تمام ہی حصہ داروں کے درمیان یہ عقد اجارہ ہے عقد شرکت عنان نہیں۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کا شریک کو ملازم رکھنے کے بارے میں فتوی ہماری اس بات کے سرمو مخالف نہیں ہے۔

حصص کا حکم :

یہ بتانے کے بعد کہ کمپنی کے کام کی اصل حقیقت اجارہ ہے اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ وہ اجارہ موجودہ حالات میں عام طور سے مندرجہ ذیل دو وجوہات کی بناء پر فاسد ہوتا ہے۔

(۱) ڈائرکٹران وغیرہ کی اُجرتیں مجہول ہوتی ہیں یعنی معاملہ کرتے ہوئے یا بالفاظ دیگر سال کے شروع میں یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ کتنی اُجرت وصول کریں گے۔اس میں شک نہیں کہ ان کی بنیادی تنخواہیں متعین ہوتی ہیں لیکن ان کے بھتوں اور Allowances جو خود اُجرت ہی کا حصہ ہیں ان کی مقدار معلوم نہیں ہوتی۔ان کے مجہول رہنے سے کل تنخواہ اور کل اُجرت مجہول ہو جاتی ہے اور یہ بات اجارہ کے فاسد ہونے کا سبب ہے۔ یہ جہالت اتنی معمولی بھی نہیں ہوتی

کہ اس کو نظرانداز کیا جاسکے مثلاً ایک کمپنی کی سالانہ رپورٹ میں یہ درج ہے کہ اس کے چیف ایگزیکٹو (Chief Executive) کی 1994ء کے سال کی تنخواہ تین لاکھ تیس ہزار روپے تھی جبکہ بھتوں اور الاؤنسز کی صورت میں اس نے ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ کے فوائد حاصل کیے۔ کمپنی کی جانب سے کار بھی مہیا کی گئی جس کے تمام اخراجات کمپنی کے ذمہ تھے اور free furnished accomodation بھی دی۔ اسی طرح ایک اور کمپنی کے دو ڈائرکٹروں نے 1993ء کے سال میں رہائشی الاؤنس کے طور پر =/79000 روپے وصول کیے جبکہ 1994ء میں انہوں نے اسی مد میں دولاکھ چالیس ہزار روپیہ وصول کیا۔

یہ خیال کرنا کہ چونکہ یہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہوتی لہٰذا اس کا تحمل کیا جاسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو بہت سے لوگوں کو ان مسائل کا علم ہی نہیں ہوتا اور دوسرے ان کا کوئی بس بھی نہیں چلتا۔ اس لیے کوئی آواز نہیں اُٹھتی ورنہ فی ذاتہ تو وہ نزاع کا باعث ہے۔

(۲) یہ بات تقریباً سب ہی کمپنیوں میں مشترک ہے کہ وہ اپنے ڈائرکٹروں (Directors) کو یہ حق دیتی ہیں کہ وہ کمپنی کے Behalf پر قرضہ لے سکتے ہیں اور سود کی ادائیگی کر سکتے ہیں یہ بات ڈائرکٹروں کے اختیارات کے بیان میں اور کمپنی کے Memorandum Of Association میں مذکور ہوتی ہے لہٰذا جب کوئی شخص کمپنی کے حصص ابتداء میں یا بعد میں خریدتا ہے تو وہ اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے خریدتا ہے اور چونکہ اس Memorandum کو قانونی اعتبار حاصل ہے لہٰذا ایجاب وقبول اور عقد کو اس میں مندرج نکات کے ساتھ مشروط سمجھا جائے گا۔ اور چونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے لہٰذا فاسد ہے جس سے عقد اجارہ فاسد ہوا۔

ایک کمپنی کے ڈائرکٹروں کے بیان میں یوں مذکور ہے :

"The directors are empowered by the company's Articles of Association to borrow or raise money or secure payment of any sum or sums of money for the purpose of the company's business."

''کمپنی کے آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن کے تحت ڈائرکٹروں کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کمپنی کے کاروبار کی خاطر کسی بھی مقدار میں قرضہ لے سکتے ہیں یا رقم اکٹھی کر سکتے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ ہمارے دور میں ایسے قرضے سود پر ملتے ہیں۔

اسی طرح ایک کمپنی کے Memorandum میں یوں درج ہے :

"To borrow money from time to time required for any of the purpose of the company by receiving advances or any sum or sums of money with or without security upon such terms as the directors may deem expedient.....

To issue or guarantee the issue of or the payment of interest on the shares,debentures,debenture stock or other security or obligation of this company."

''کمپنی کے ڈائرکٹروں کو اختیار ہوگا کہ کمپنی کے مفاد کی خاطر وقتاً فوقتاً ضرورت کے بقدر رقم قرض لے سکتے ہیں۔اس کے لیے وہ پیشگی رقوم بھی لے سکتے ہیں اور ضمانت کے ساتھ یا بلاضمانت ان شرائط پر بھی قرض لے سکتے ہیں جو وہ مناسب سمجھیں۔

وہ حصص پر، ڈیبنچر پر، ڈیبنچر سٹاک پر یا امانت پر یا کمپنی کی کسی اور واجب الادا رقم پر سود دے سکتے ہیں۔''

اس شرط فاسد کا بیان یہ ہے کہ ڈائرکٹر جب کوئی قرض لیتے ہیں تو وہ اپنے نام پر نہیں لیتے بلکہ کمپنی کے نام پر لیتے ہیں اور اس کی واپسی اور اس پر سود کی ادائیگی کی ذمہ دار کمپنی ہوتی ہے لہٰذا وہ قرض کمپنی میں سرمایہ کاری کرنے والے تمام افرد پر (خواہ وہ عہدیدار ہوں یا عام حصہ دار ہوں سب پر) ان کے سرمایہ کے تناسب سے تقسیم ہو جاتا ہے۔اگر کمپنی کو نقصان ہو تو قرضہ کی واپسی اور سود کی ادائیگی شیئر ہولڈرز یعنی حصہ داروں کے اصل سرمایہ میں سے کی جائے گی۔

غرض فساد تو حصہ کے خریدنے کے وقت ہی آجاتا ہے۔

ہماری تجویز اور رائے کے برعکس مولوی عمران اشرف صاحب کمپنی کے کام کی حقیقت کو ''شرکتِ عنان'' کہتے ہیں البتہ یہ بھی مانتے ہیں کہ کمپنی کے عہدیدار اُجرت پر کام کرتے ہیں اور کسی شریک کے اُجرت پر کام کرنے کے جواز کو مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے احسن الفتاوٰی کی ساتویں جلد میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

کمپنی کے ڈائرکٹروں اور عہدیداروں کے اجارہ پر کام کرنے کو مان لینے کے بعد مولانا تقی عثمانی مدظلہ اور مولوی عمران اشرف سلمہ نے ہمارے ذکر کردہ مفاسد میں سے ایک سے یعنی ڈائرکٹروں کی تنخواہ کی مقدار کے مجہول ہونے سے تعرض ہی نہیں کیا البتہ انہوں نے دوسرے مفسدہ یعنی ڈائرکٹروں کے سودی لین دین پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔اس کو ہم

پہلے من وعن نقل کرتے ہیں اتنی بات ذہن میں رکھیں کہ سودی لین دین کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے مولوی عمران اشرف سلمہ عام شرکت عنان اور جوائنٹ سٹاک کمپنی کی شراکت کے درمیان کچھ فرق بھی سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

"But if the rule of partnership is truly applied in a company,there is no possibility for any kind of impermissible activity or income. Because every share-holder of a campany is a sharik(partner)of the company,and every sharik,according to the Islamic jurisprudence is an agent of the other partners in the matters of joint business.Therefore,the mere purchase of a share of a company embodies an authorization from the share-holder to the company to carry on its business in whatever manner the management deems fit.If it is known to the share-holder that the company is involved in an un-Islamic transaction,and he continues to hold the shares of that company,it means that he has authorized the management to proceed with that un-Islamic transaction.In this case,he will not only be responsible for giving his consent to an un-Islamic transaction,but that transaction will also be rightfully attributed to himself,because the management of the company is working under his tacit authorization.

However a larger number of shariah scholars say

that Joint Stock Company is basically different from a simple partnership.In partnership,all the policy decisions are taken through the consensus of all partners,and each one of them has a vetro-power with regard to the policy of the business. Therefore,all the actions of a partnership are rightfully attributed to each partner.Conversely,the majority takes the policy decisions in a joint stock large number of company.Being composed of a share-holders,a company cannot give a vetro-power to each share-holder.The opinions of individual share-holders can be over-ruled by a majority decision. Therefore,each and every action taken by the company cannot be attributed to every share-holder in his individual capacity.If a share-holder raises an objection against a particular transaction in an Annual General Meeting,but his objection is over-ruled by the majority,it will not be fair to conclude that he has given his consent to that transaction in his individual capacity,especially when he intends to refrain from the income resulting from that transaction." (pp.211-212)

''اگر کمپنی کو مکمل طور پر شراکت کے اصولوں پر چلایا جائے تو اس میں کوئی ناجائز عمل یا ناجائز آمدنی ممکن نہیں۔ چونکہ کمپنی کا ہر حصہ دار کمپنی کا شریک بھی ہے اور اسلامی فقہ کے مطابق

کمپنی کے مشترکہ کاروباری امور میں ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے لہٰذا کمپنی کے حصہ کی محض خریداری ہی اس بات کو متضمن ہے کہ حصہ دار نے کمپنی کے عہدیداروں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جیسے مناسب سمجھیں کمپنی کا کاروبار چلائیں۔ اگر حصہ دار کو معلوم ہے کہ کمپنی کسی غیر اسلامی عقد و معاملہ میں ملوث ہے اور وہ پھر بھی کمپنی کے حصے اپنے پاس برقرار رکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کمپنی کے عہدیداروں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے اس غیر اسلامی عقد کو جاری رکھیں۔ اس صورت میں وہ صرف اتنی ہی بات کا ذمہ دار نہیں کہ اس نے ایک غیر اسلامی عقد پر اپنی رضامندی دی ہے بلکہ وہ غیر شرعی عقد بجا طور پر خود اس کی طرف بھی منسوب کیا جاسکتا ہے کیونکہ کمپنی کے عہدیدار اس حصہ دار کی جانب سے دیے گئے ضمنی اختیار کے تحت کام کرتے ہیں۔

لیکن علمائے شریعت کی ایک کثیر تعداد کا کہنا ہے ''جوائنٹ سٹاک کمپنی'' اور ''عام شراکت'' کے مابین بنیادی فرق ہے۔ عام شراکت میں تمام کاروباری فیصلے تمام شرکاء کی متفقہ رائے سے طے پاتے ہیں اور کاروبار سے متعلق پالیسی اُمور میں شریک کو ویٹو کرنے (veto-power) کا حق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے عام شراکت میں تمام ہی افعال کی نسبت ہر ہر شریک کی طرف کرنا بجا ہے۔ اس کے برعکس جوائنٹ سٹاک کمپنی میں پالیسی فیصلے کثرتِ رائے سے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ دار کی تجاویز کو کثرت رائے کی وجہ سے مسترد کیا جاسکتا ہے۔ اس وجہ سے کمپنی کے اختیار کیے ہوئے ہر ہر عمل کی نسبت ہر ہر حصہ دار کی طرف انفرادی حیثیت میں نہیں کی جاسکتی۔ اگر کمپنی کے سالانہ اجلاسِ عام میں کوئی حصہ دار کسی خاص عقد کے خلاف آواز اُٹھائے لیکن اکثریت کی بنیاد پر اس کی بات مسترد کردی جائے تو یہ نتیجہ نکالنا منصفانہ نہ ہوگا کہ اپنی انفرادی حیثیت میں اُس نے اِس عقد کی اجازت دے دی ہے خصوصاً جبکہ وہ اس عقد سے حاصل ہونے والے نفع سے اجتناب کرنے کا عزم رکھتا ہے۔''

خود مولانا تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں :

''اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ آج جتنی کمپنیاں اس وقت قائم ہیں ان میں سے اکثر کمپنیاں ایسی ہیں کہ ان کا بنیادی کاروبار تو حرام نہیں ہے مثلاً ٹیکسٹائل کمپنیاں ہیں، آٹو موبائل (Auto-mobile) کمپنیاں ہیں وغیرہ لیکن شاید ہی کوئی کمپنی ایسی ہوگی جو کسی نہ کسی طرح سودی کاروبار میں ملوث نہ ہو۔ یہ کمپنیاں دو طریقے سے سودی کاروبار

میں ملوث ہوتی ہیں۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ یہ کمپنیاں فنڈ بڑھانے کے لیے بنک سے سود پر قرض لیتی ہیں اور اس قرض سے اپنا کام چلاتی ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کے پاس جو زائد اور فاضل (Surplus) رقم ہوتی ہے وہ سودی اکاؤنٹ میں رکھواتی ہے۔اس پر وہ بینک سے سود حاصل کرتی ہے۔وہ سود بھی اس کی آمدنی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں ایسی کمپنی کے شیئرز خریدوں جو کسی بھی طریقہ سے سودی کاروبار میں ملوث نہ ہو تو یہ بہت مشکل ہے۔اب سوال یہ ہے کہ پھر تو کسی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں ہونی چاہیے۔

ایسی کمپنیوں کے بارے میں موجودہ دور کے علماء کرام کی رائیں مختلف ہیں۔علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یہ کمپنیاں حرام کاموں میں ملوث ہیں اب چاہے تناسب کے لحاظ سے وہ حرام کام تھوڑا ہے لیکن چونکہ حرام کام کر رہی ہیں لہٰذا ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کمپنی کے ساتھ حرام کام میں حصہ دار بنے اس لیے کہ جب اس نے شیئرز خرید لیا تو اس کاروبار میں شریک ہو گیا اور کاروبار کا ایک شریک دوسرے شریک کا وکیل اور ایجنٹ ہے اب گویا کہ شیئرز ہولڈران کو اس کام کے لیے ایجنٹ بنا رہا ہے کہ تم سودی قرضے لو اور سودی آمدنی بھی حاصل کرو۔اس لیے ان علماء کے نزدیک کسی کمپنی کے شیئرز اس وقت تک خریدنا جائز نہیں جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ یہ کمپنی نہ سود لیتی ہے اور نہ سود دیتی ہے۔

علماء کرام کی دوسری جماعت کا یہ کہنا ہے کہ اگرچہ ان کمپنیوں میں یہ خرابی پائی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کمپنی کا بنیادی کاروبار مجموعی طور پر حلال ہے تو پھر دو شرطوں کے ساتھ اس کمپنی کے شیئرز لینے کی گنجائش ہے۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف تھا اور ان دونوں حضرات کی اتباع میں میں بھی اس موقف کو درست سمجھتا ہوں۔وہ دو شرطیں یہ ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شیئر ہولڈر اس کمپنی کے اندر سودی کاروبار کے خلاف آواز ضرور اُٹھائے اگرچہ اُس کی آواز مسترد (over-rule) ہو جائے اور میرے نزدیک آواز اُٹھانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کی جو سالانہ میٹنگ (Annual General Meeting) ہوتی ہے

اس میں یہ آواز اُٹھائے کہ ہم سودی لین دین کو درست نہیں سمجھتے، سودی لین دین پر راضی نہیں ہیں اس لیے اس کو بند کیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں یہ آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز ہوگی اور یقیناً اس کی یہ آواز مسترد ہوگی۔ لیکن جب وہ یہ آواز اُٹھائے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ایسی صورت میں وہ انسان اپنی ذمہ داری پوری ادا کر دیتا ہے۔'' (شیئرز کی خرید وفروخت ص ۱۷ تا ۱۹)

دوسری شرط کا ذکر آگے آئے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ ان حضرات کے اس قول کی بنیاد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی یہ تحریر ہے :

''سو جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع نہ ہو اس نے تو کارکنان کمپنی کو ان دو امر (یعنی سود کے لینے اور دینے) کا وکیل ہی نہیں بنایا اس لیے کارکنوں کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہ ہوگا۔ اور جن کو اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کر دیں گو اس ممانعت پر عمل نہ ہوگا مگر اس ممانعت سے اس فعل کی طرف نسبت تو نہ ہوگی''۔ (امداد الفتاوی ج ۳ ص ۴۸۹)

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ علم نہ ہوگا کہ کمپنی کا Memorandum of Association اور Articles of Association بھی ہوتا ہے جس کو قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور حصص کی خرید وفروخت تمام کی تمام ان ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کے تمام نکات عقد میں مشروط ولحوظ ہوتے ہیں لہٰذا حصص کی خرید کے ساتھ ہی جو اجارہ اقتضاءً منعقد ہوتا ہے وہ فاسد ہوتا ہے۔ خود مولانا رحمہ اللہ نے بھی جو کہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس حصہ دار کو حصہ داخل کرتے وقت اس کی اطلاع ہو وہ تصریحاً اس سے ممانعت کر دے، یعنی حصہ کو خریدتے وقت کمپنی کے عہدیداروں کو کہہ دے۔ یہ نہیں کہ جانتے بوجھتے پہلے تو حصص خرید لیے بعد میں کسی اجلاسِ عام میں اس کے خلاف آواز اُٹھائے۔ یہ عقد ایک دفعہ فاسد ہو جائے تو ایک عرصہ کے بعد آواز اُٹھانے سے اس کا فساد کیسے مرتفع ہوگا جبکہ اس دوران سودی لین دین ہوتے بھی رہے ہوں۔ علاوہ ازیں اگر حصہ کی خرید کے وقت صراحۃً منع کرنے پر کمپنی کی طرف سے یہ جواب ملے کہ ہم تو سودی لین دین کرتے رہیں گے تو کیا حصہ دار اب بھی بری الذمہ رہے گا۔

Memorandum کی قانونی حیثیت کے ہوتے ہوئے سالانہ اجلاسِ عام میں کسی حصہ دار کے آواز اُٹھانے پر اگر عہدیدار یہ کہیں کہ آپ کی یہ بات غیر آئینی اور غیر قانونی ہے اور آپ کو ایسی بات کہنے کا کوئی حق نہیں ہے تو اس حصہ دار کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔ اور یہ شخص پھر بھی حصہ دار بنا رہے تو عام لوگ کتنا برا تاثر لیں گے کہ دیکھو حرام سمجھنے کے باوجود نفع کا لالچ ہے۔

اور عام لوگ تو اگر ایسا کر بیٹھیں تو کوئی تعجب نہیں لیکن کیا ایک اہم بینکر اور ماہر اقتصادیات بھی اجلاس عام میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرے گا۔ایک ناٹک رچانا ہے تو اور بات ہے لیکن معاملہ اگر سنجیدگی سے لینا ہوتو ہم نہیں سمجھتے کہ میزان بینک کے President بھی ایسی بات کہنے کی جرأت کریں گے۔

پھر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے سود لینے والی شق پر اپنی معلومات کے اعتبار سے کلام کیا ہے اور عمران اشرف صاحب نے بھی اسی شق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ فیصلہ دیا ہے کہ حصہ دار حاصل ہونے والے نفع کا پانچ فیصد صدقہ کردیں۔مولوی عمران اشرف لکھتے ہیں :

"Therefore,if a company is engaged in a keeps its halal(permissible)business,but also surplus money in an interest-bearing account,wherefrom a small incidental income of interest is received,it does not render all the business of the company unlawful.Now if a person acquires the shares of such a company with clear intention that he will oppose this incidental transaction also,and will not use that proportion of the dividend for his own benefit,then it cannot be said that he has approved the transaction of interest and hence that transaction should not be attributed to him.

....if a very small amount of income is earned through these means despite of his disapproval,then his trade in shares would be permissible with the condition that,he shall have to purify that proportion of income by giving it to

raised as to what charity.Now a question could be extent or what limit that income would be forgone.------It was resolved through the consensus of proficient Shariah Scholars that the limit of impermissible income should not exceed 5% of the total income."(Islamic Banking pp.212-213)

''غرض اگر کسی کمپنی کا کاروبار تو حلال ہو لیکن وہ اپنا فاضل سرمایہ سودی کھاتہ میں جمع کراتی ہو جہاں سے سود کی ایک قلیل رقم حاصل ہوتی ہو تو اتنی بات سے کمپنی کا پورا کاروبار حرام نہیں ہو جاتا۔اب اگر کوئی شخص اس کمپنی کے شیئرز اس نیت سے خریدتا ہے کہ وہ اس سودی عقد کی مخالفت بھی کرے گا اور اپنے نفع میں سے سود میں ملنے والا حصہ صدقہ بھی کر دے گا تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے سودی عقد کی منظوری دے دی ہے اور نتیجۃً اس عقد کی نسبت اُس کی طرف نہیں کی جا سکتی.....اگر حصہ دار کی عدم رضا مندی کے باوجود نفع کا کچھ تھوڑا ہی سا حصہ سودی عقد سے حاصل ہو تو حصص میں اس کی خرید وفروخت اس شرط کے ساتھ جائز ہوگی کہ اس کو اپنی آمدنی میں سے سود کا حصہ صدقہ کر کے اپنی آمدنی کو پاک کرنا ہوگا۔اب یہ سوال اُٹھایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی آمدنی کا کتنا حصہ صدقہ کرے۔شریعت کے ماہر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ناجائز آمدنی کی حد کل آمدنی کے ۵ فیصد سے تجاوز نہیں کرنی چاہیے۔''

مولانا تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں :

شیئرز کی خرید وفروخت کے جواز کے لیے کل چار شرطیں ہو گئیں :

(۱) اصل کاروبار حلال ہو۔

(۲) اس کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے (fixed assets) وجود میں آچکے ہوں۔رقم صرف نقد کی شکل میں نہ ہو۔

(۳) اگر کمپنی سودی لین دین کرتی ہے تو اس کی سالانہ میٹنگ میں آواز اُٹھائی جائے۔

(۴) جب منافع تقسیم ہو اس وقت جتنا نفع کا حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہو اس کو صدقہ کر دے۔(شیئرز کی خرید وفروخت ص۲۰)

رہی سود دینے کی شق تو اس کے بارے میں عمران اشرف صاحب لکھتے ہیں :

"……such companies sometimes borrow money from financial institutions that are mostly based on interest.Here again the afore-mentioned principle applies i.e. if a share-holder is not personally agreeable to such borrowings,but has been overruled by the majority,these borrowing transactions cannot be attributed to him."

''یہی کمپنیاں بعض اوقات مالیاتی اداروں سے قرضے حاصل کرتی ہیں جو عام طور سے سود پر ملتے ہیں۔ یہاں پر بھی وہی مذکورہ بالا ضابطہ لاگو ہوتا ہے یعنی یہ کہ اگر کوئی حصہ دار ذاتی طور پر سود پر مبنی ان قرضوں سے متفق نہیں لیکن اکثریت نے اس کی آواز مسترد کردی ہے تو قرض لینے کے یہ عقد اس کی طرف منسوب نہ ہوں گے۔''

لیکن یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ڈائرکٹر جب کوئی قرض لیتے ہیں تو کمپنی کے نام پر لیتے ہیں خاص اپنی ذات کے لیے نہیں لیتے۔اس قرض کا مالک کون بنا۔تنہا ڈائرکٹر نہیں بنتے۔کمپنی کو اگر چہ ایک person کے طور پر لیا جاتا ہے لیکن وہ ایک معنوی چیز ہے جو ذمہ داری قبول نہیں کرسکتی۔لہٰذا وہ قرض حصہ داروں کے درمیان ان کے سرمائے کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔اس کو اگر کاروبار میں لگایا تو نفع بھی اسی تناسب سے حصہ داروں کی ملکیت ہوگا۔اسی نفع میں سے (اگر چہ اس کی تقسیم سے پیشتر) سود ادا کیا جاتا ہے۔غرض حصہ دار خواہ کتنا ہی واویلا مچالیں سود دینے کی نسبت سے وہ اپنے آپ کو نہیں بچاسکتے۔اور اگر کمپنی کو نقصان ہوگیا تو قرضہ کی واپسی بھی اور سود کی ادائیگی بھی حصہ داروں کے اصل سرمایہ میں سے کی جائے گی۔ (جاری ہے)

❁❁❁

حضرت مولانا سیّد سلمان ندوی صاحب ۲۸؍دسمبر کو صبح ۱۱؍بجے جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے اور طلبہ سے خطاب فرمایا۔قارئین اگلے شمارے میں وہ خطاب ملاحظہ فرمائیں۔

قسط : ۲

ہندوستان اور پاکستان کے علماء کرام نے جہاں موجودہ دور کے اقتصادی اور معاشی نظام میں غلط اور حرام چیزوں کی نشاندہی فرمائی ہے وہیں اسلامی قوانین کی روشنی میں ان کی جائز اور قابلِ عمل متبادل صورتیں بھی پیش فرمائی ہیں جس سے مغرب کے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں مزید کھل کر سامنے آجاتی ہیں اور اسلام کے اقتصادی نظام کی ہمہ جہتی بھی خوب اُجاگر ہوجاتی ہے اس موضوع کی مخصوص اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ادارہ اسلامی اقتصادی اور بینکاری کے ماہر علماء کرام کو اپنی قیمتی تحقیق اور تجاویز کو منظرِ عام پر لانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرنا ہے تاکہ اس کا دائرہ وسیع ہو کر اس کے مخفی گوشوں کو مزید اُجاگر کردے تاکہ وہ ایک دوسرے کے نکتہ نظر سے آگاہ ہوسکیں اور آراء کا باہمی اختلاف کم سے کم ہو کر یک جہتی پیدا کردے اور خوب سے خوب تر کا حصول آسان ہوجائے۔

زیرِ نظر مضمون جامعہ مدنیہ لاہور کے مفتی حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم کا تحریر کردہ ہے اور موجودہ دور میں جدید اسلامی بینکاری سے متعلق ہے۔ ادارہ دیگر اہلِ علم کی اسلامی اقتصادی اور معاشی تحقیقات کو بھی منظرِ عام پر لانے کی خدمت میں خوشی محسوس کرے گا۔ (ادارہ)

پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکاری کے چند واجبِ اصلاح اُمور

﴿ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالوحد صاحب ﴾

3۔ مرابحہ میں سرمایہ کاری :

12 سال پیشتر مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے دارالعلوم میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' نے مرابحہ مؤجلہ کے ذریعہ سرمایہ کاری کے تحت یہ تجویز دی :

''مثلاً ایک کاشتکار بینک سے ٹریکٹر کی خریداری کے لیے قرض لینا چاہتا ہے تو بینک اس کو قرض دینے کے بجائے خود ٹریکٹر خرید کر بصورتِ مرابحہ مؤجلہ فروخت کردے گا''۔

''بینک کے لیے ازخود تمام مطلوبہ اشیاء کی خریداری براہ راست مشکل ہے اس لیے وہ مطلوبہ اشیاء کی خریداری کے لیے خود عمیل کو اپنا وکیل بنادے گا اور یہ عمیل پہلے وہ چیز مثلاً ٹریکٹر بینک کے وکیل

کی حیثیت سے خرید کر قبضہ میں لے لے گا اور خریداری کی تکمیل پر بینک کو مطلع کردے گا کہ میں نے وکالت کی بنیاد پر آپ کے لیے ٹریکٹر خرید کر اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اور اب میں وہ ٹریکٹر آپ سے اپنے لیے خریدنا چاہتا ہوں''۔(احسن الفتاوٰی ج7ص119)

مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے اس پر حاشیہ لکھا :

''مجلس نے یہاں یہ اضافہ بھی کیا تھا جو غالباً سہواً تحریر سے رہ گیا ہے۔ بینک عمیل کے قبضہ کی تصدیق کے لیے اپنا کوئی نمائندہ بھیجے گا جو قبضہ ثابت ہونے پر اس کا سرٹیفکیٹ دے گا''۔(حسن الفتاوٰی ج7ص119)

میں کہتا ہوں یہ تو واقعی بات ہے کہ مجلس کی کارروائی کے دوران وہ اضافہ کیا گیا تھا جو مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور میں نے اجلاس کے دوران بھی اور اجلاس کے بعد تحریراً بھی اِس نکتہ پر تاکید کی تھی۔ اب عمران اشرف صاحب کی کتاب دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ اضافہ زبانی طور پر تو تسلیم کرلیا گیا تھا لیکن دارالعلوم کے حضرات دل سے متفق نہ تھے اس لیے تجاویز تحریر کرتے ہوئے بھی اس نکتہ کو نظر انداز کیا گیا اور پھر عمران اشرف صاحب نے بھی اپنی کتاب لکھتے ہوئے اس کو بالکل نظر انداز کردیا، لکھتے ہیں :

"An agency agreement is signed by both parties in which the institution appoints the client as his agent for purchasing the commodity on its behalf.

The client purchases the commmodity on behalf of the institution and takes possession as the agent of the institution.

The client informs the institution that he has purchased the commodity and simultaneously makes an offer to purchase it from the institution."
(Islamic Banking:p.127)

''دو پارٹیاں (یعنی بینک اور عمیل) ایک وکالت نامہ پر دستخط کریں گے جس کے تحت بینک عمیل کو بینک کے لیے سودا خریدنے کی خاطر اپنا وکیل مقرر کرتا ہے۔

عمیل بینک کے لیے وہ سامان خریدتا ہے اور بینک کے وکیل کے طور پر اس سامان پر قبضہ کرتا ہے۔

پھر عمیل بینک کو اطلاع دے گا کہ اس نے سامان خرید لیا ہے اور ساتھ ہی بینک سے اس کو خریدنے کی پیش کش بھی کرتا ہے۔''

یہ صحیح ہے کہ قبضہ کی تصدیق کرانا مرابحہ سرمایہ کاری کی جو theory ہے اس کا حصہ نہیں ہے صرف تحفظ کی خاطر ہے تاکہ عمیل کے جھوٹ اور فریب سے بچاؤ ہو سکے لیکن عثمانی صاحبان نظریاتی تصویر کو ہر حال میں مجسم شکل میں دیکھنے کا جو جذبہ رکھتے ہیں اس کی وجہ سے وہ اس دور کے لوگوں کے طور طریقے اور ان کی روِش میں کجی کو نظر انداز کرنے کو تیار ہیں اور کر بھی رہے ہیں۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں غلط بیانی کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ جعلی رسیدیں اور واؤچر بنانا عام معمول کا حصہ ہے۔ ان حالات میں ایک اہم اور انقلابی نظام کو ایسے لوگوں کے سہارے پر چھوڑ دیا جائے تو اس نظام کی شکل بننے سے پہلے ہی بگڑنے کا قوی اندیشہ ہے جو قریب قریب یقین کے ہے۔ بلکہ موجودہ حالات میں تو بینک کے نمائندے کی تصدیق پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی بھی شخص کی جیب میں پانچ سو یا ہزار کا نوٹ ڈالا جائے تو وہ دستخط کیوں نہ کرے یا کب تک نہ کرے؟ میزان بینک اور البرکہ بینک میں جس قسم کا عملہ موجود ہے وہ City Bank (سٹی بینک) یا Hong Kong Bank (ہانگ کانگ بینک) سے مختلف نہیں ہے۔ اس کی وضع قطع اور اس کی ہیئت سے ایسا کوئی تاثر نہیں ملتا کہ وہ کوئی مشنری (Missionary) جذبہ رکھتا ہے جبکہ انقلابی قسم کے کاموں کی کامیابی کا انحصار ان لوگوں پر ہوتا ہے جو انقلابی ذہن اور مشنری جذبہ رکھتے ہوں۔ محض professionals سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی اور اگر بالفرض تصدیق کنندہ دیانتدار بھی ہو تب بھی اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ عمیل نے سابقہ پڑا ہوا مال نہ دکھا دیا ہو یا کسی سے وقتی عاریت کے تحت لے کر نہ دکھا دیا ہو۔

ان قوی خطرات کے ہوتے ہوئے موجودہ حالات میں اسلامی بینکاری کی عملی شق پر کیسے اطمینان کیا جا سکتا ہے؟ اسی سوال کا متعلقہ حلقوں سے ہمیں کبھی جواب نہیں ملا۔

4۔ یومیہ سرمایہ کی بنیاد پر نفع کی تقسیم: (On the Basis of Daily Products)

کھاتہ داروں کو جب اور جتنی بھی رقم ہو جمع کرانے پر آمادہ کرنے کے لیے مروجہ بینکوں نے یومیہ سرمایہ کی بنیاد پر نفع دینے کی سکیم نکالی۔ عمران اشرف صاحب اس کے بارے میں لکھتے ہیں :

"Many financial institutions finance the working capital of an enterprise by opening a running

account for them from where the clients draw different amounts at different intervals,but at the same time,they keep returning their surplus amounts.Thus the process of debit and credit goes on upto the date of maturity,and the interest is calculated on the basis of daily products.Can such an arrangement be possible under the musharakah or mudarabah modes of financing(Islamic Banking.p:177)

If such an arrangement is agreed upon between the parties,it does not seem to violate any basic principle of the musharakah.------practically,it means that the parties have agreed to the principle that the profit accrued to the musharakah portfolio at the end of the term will be divided based on the average capital utilized per day,which will lead to the average of the profit per rupee per day will be multiplied by the number of days each invester has put his money into the business,which will determine his profit entitlement on daily product basis."(Islamic Banking p:178)

''بہت سے مالیاتی ادارے کسی کاروباری ادارے کے زیرِ گردش سرمایہ کو اس طریقے سے ترتیب دیتے ہیں کہ اس کا ایک رواں کھاتہ کھول دیتے ہیں جس میں سے عمیل مختلف اوقات میں مختلف رقمیں نکالتے ہیں اور ساتھ ہی فاضل سرمایہ جمع بھی کراتے رہتے ہیں۔غرض رقمیں جمع کرانے اور نکالنے کا عمل تاریخ انتہا تک چلتا رہتا ہے اور یومیہ بنیادوں پر سود کا حساب لگایا جاتا ہے۔کیا ایسا معاملہ مشارکہ اور مرابحہ کی سرمایہ کاری میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

اگر پارٹیوں کے درمیان ایسے معاملہ پر اتفاق ہو جائے تو اس سے مشارکت کے کسی بنیادی ضابطہ کی مخالفت نہیں ہوتی۔ عملی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ پارٹیوں نے اس قاعدہ وضابطہ پر اتفاق کر لیا ہے کہ مشارکہ کے کھاتے میں مدت کے آخر میں جو نفع جمع ہوا ہو وہ اس بنیاد پر تقسیم ہوگا کہ اوسطاً فی یوم کتنا سرمایہ استعمال ہوا ہے۔ اس سے فی یوم فی روپیہ حاصل ہونے والے نفع معلوم ہوگا جس کو ان ایام کے عدد سے ضرب دیں گے جن میں ہر سرمایہ کار نے اپنا سرمایہ کاروبار میں لگایا ہے۔ اس سے یومیہ بنیادوں پر نفع کی تعیین کی جا سکے گی۔''

اس پر عمران اشرف صاحب نے پھر خود ہی ایک اعتراض وارد کر کے اس کا جواب دیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ شراکت میں تو شریکوں کے راس المال کا علم ہوتا ہے جبکہ اس نظام میں کھاتہ دار رقمیں نکالتے اور جمع کراتے رہتے ہیں اس لیے مشارکت میں داخل ہوتے وقت ان کے سرمایہ کی مقدار مجہول ہوتی ہے اور اس جہالت سے مشارکت باطل ہو جاتی ہے پھر اس کے جواب میں علامہ کاسانی رحمہ اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے کیونکہ جب سامان خریدا جاتا ہے تو مقدار کا علم ہو ہی جاتا ہے۔ لکھتے ہیں :

"But the proposed running account of musharakah where the partners are coming in and going out every day,nobody has undertaken to contribute any specific amouut. Therefore the capital contributed by each partner is unknown at the time of entering into Musharakah which should render the Musharakah invalid.

The answer to the above objection is that the classical scholars of Islamic Fiqh have different views about whether it is necessary for a valid Musharakah that the capital is pre-known to the partners.The Hanafi Scholars are unaminous on the point that it is not a pre-condition.Al-kasani, the famous Hanafi jurist writes :

"According to our Hanafi school,it is not a condition for the validity of Musharakah that the amount of capital is known,while it is a condition according to Imam Shafi.Our argument is that Jahalah(uncertainty)in itself does not render a contract invalid, unless it leads to disputes.And the uncertainty in the capital at the time of Musharakah does not lead to disputes,because it is generally known when the commodities are purchased for the Musharakah,therefore it does not lead to uncertainty in the profit at the time of distribution."(Islamic Banking:pp.179-180)

''لیکن مشارکہ کا مجوزہ رواں کھاتہ جس میں شریک روزانہ داخل اور خارج ہوتے رہتے ہیں کوئی بھی شریک اس میں متعین رقم جمع کرانے کی ذمہ داری نہیں لیتا ہے۔اس لیے مشارکہ شروع کرنے کے وقت ہر شریک کا راس المال (سرمایہ) کی مقدار نا معلوم ہے جس کی وجہ سے مشارکہ فاسد ہو جانا چاہیے۔

مذکورہ بالا اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے قدیم محققین کا اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ مشارکہ کے جواز کے لیے آیا شرکاء کے راس المال کا پہلے سے معلوم ہونا شرط ہے یا نہیں۔حنفی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ شرط نہیں ہے۔مشہور حنفی فقیہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں :

ہمارے حنفیہ کے مطابق مشارکہ کے جواز کے لیے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ راس المال کی مقدار معلوم ہو اگرچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ شرط ہے۔ہماری دلیل یہ ہے کہ جہالت بذاتِ خود عقد کے لیے موجبِ فساد نہیں ہوتی بلکہ صرف اسی وقت ہوتی ہے جب وہ نزاع کا باعث بنے۔ اور مشارکہ کے شروع میں راس المال کے بارے میں جہالت نزاع کا باعث نہیں ہوتی کیونکہ (مشارکہ کے تحت) جب سامان خریدا جاتا ہے تو اس کا علم ہو جاتا ہے لہٰذا نفع کی تقسیم میں وہ جہالت کا باعث نہیں ہوتی۔''

ہمیں افسوس ہے کہ علامہ کاسانی رحمہ اللہ کی عبارت کا جو مطلب مولوی عمران اشرف صاحب نے بتایا ہے ہم اس سے اتفاق نہیں کر سکے۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ کی عبارت یوں ہے :

ولنا ان الجهالة لا تمنع جواز العقد لعينها بل لافضائها الى المنازعة وجهالة رأس المال وقت العقد لا تفضى الى المنازعة لانه يعلم مقداره ظاهرا وغالبا لان الدراهم والدنانير توزنان وقت الشراء فيعلم مقدارها فلا يؤدى الى جهالة مقدار الربح وقت القسمة.(بدائع الصنائع ج 6 ص 63)

ترجمہ :''ہماری دلیل یہ ہے کہ جہالت بذاتِ خود عقد کے جواز کے مانع نہیں ہوتی بلکہ مفضی الی المنازعہ ہونے کی وجہ سے مانع ہوتی ہے۔ اور عقد کے وقت راس المال کی مقدار کی جہالت مفضی الی المنازعہ نہیں کیونکہ عام طور سے سامان کی خرید کے وقت چونکہ دراہم ودنانیر کو تولا جاتا ہے اس لیے اس وقت اس کی مقدار معلوم ہو جاتی ہے لہٰذا نفع کی تقسیم کے وقت نفع کی مقدار بھی مجہول نہیں رہتی۔''

علامہ کاسانی رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ عقد کے وقت سرمایہ کی مقدار کا تفصیلی علم ہونا شرط نہیں۔ یہ کہنا کہ عقد کے وقت مقدار کا اجمالی علم بھی شرط نہیں ہے بلا دلیل ہے۔ دیکھئے علامہ رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ خریداری کے وقت چونکہ دراہم ودنانیر کا وزن کیا جاتا ہے تو اس وقت ان کی مقدار کا علم جو کہ تفصیلی علم ہے ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ وہ دراہم ودنانیر ہیں جو عقد کے وقت سامنے رکھ دیے گئے کہ ان کے ساتھ مشارکت ہوگی۔ غرض عقد کے وقت دراہم ودنانیر سامنے ہونے کی وجہ سے یا اُن کی طرف اشارہ ہونے کی وجہ سے اُن کی مقدار کا اجمالی علم تو ضرور ہوا جبکہ یومیہ بنیاد کے مسئلہ میں عقد کے وقت سرمایہ کی مقدار کا نہ تو اجمالی علم ہے اور نہ تفصیلی علم ہے۔

آخر شرکتِ عنان بالاموال کی حقیقت یہی تو ہے کہ کم از کم دو فریق اپنے متعین سرمائے اس عقد میں متفق علیہ مدت تک کے لیے مخصوص کر لیں اور ان کی بنیاد پر (اور ضرورت ہو تو عمل کی وجہ سے بھی) اپنے لیے نفع کی شرح طے کریں۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ کے دور میں یومیہ بنیاد (Basis of daily products) کا تو وجود نہیں تھا لہٰذا کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ ان کے دور میں دو آدمی آپس میں مشارکت کا عقد تو کریں لیکن عقد کے وقت نہ تو ان کو سرمایہ کی مقدار کا کچھ اندازہ ہو اور نہ ہی نفع کی کوئی شرح طے کریں۔ غرض علامہ کاسانی رحمہ اللہ کی عبارت کو عمران اشرف صاحب اپنے حق میں لائیں یہ کسی طرح درست نہیں ہے۔ یومیہ بنیاد (Basis of daily products) پر عمران اشرف صاحب نے خود ہی ایک اور اعتراض نقل کیا ہے جو یہ ہے :

"Some contemporary scholars do not allow this method of calculating profits on the ground that it is just a conjectural method,which does not reflect the actual profits really earned by a partner of the Musharakah. Because the business may have earned huge profits during a period when a particular investor had no money invested in the business at all or had a very insignificant amount investsd,still,he will be treated at par with other investors who had huge amounts invested in the business during that period.Conversely,the business may have suffered a great loss during a period when a particular investor had huge amounts invested in it.Still,he will pass on some of his loss to other investor who had no investment in that period or their size of investment was insignificant."

''چند ہم عصر علماء نفع کی تعیین کے اس طریقے کو جائز نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے خیال میں یہ ایک محض تخمینی طریقہ ہے جس سے مشارکہ میں کسی شریک کا کمایا ہوا حقیقی نفع معلوم نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ کاروبار میں بہت زیادہ نفع ان دنوں میں ہوا ہو جب ایک شریک کا سرے سے یا تو سرمایہ ہی موجود نہ ہو یا ہو تو اتنا تھوڑا کہ قابلِ ذکر ہی نہ ہو۔ اس کے باوجود اس کو ان دوسرے شرکاء کے برابر سمجھا جائے گا جنھوں نے اس مدت میں بہت بڑی مقدار میں سرمایہ لگایا ہو۔ اس کے برعکس صورت میں یہ ممکن ہے کہ کاروبار کا اس مدت میں بہت زیادہ نقصان ہوا ہو جب ایک شریک کا بہت زیادہ سرمایہ لگا ہو۔ اس کے باوجود اس کا کچھ نقصان ان دیگر شرکاء کو منتقل کر دیا جائے گا جن کا اس مدت میں کچھ بھی سرمایہ نہ ہو یا ہو تو بہت تھوڑا جو نا قابلِ ذکر ہو۔''

ہم کہتے ہیں اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اس طریقے سے کسی شریک کے واقعی نفع کی صحیح مقدار معلوم نہیں ہوتی

کیونکہ فرض کریں مشارکت کی کل مدت ایک سو دن ہے۔ مدت کے شروع ہی میں عمر نے پانچ ہزار اور بکر نے دس ہزار جمع کرائے۔ اور پوری مدت میں کچھ رقم نہ نکلوائی۔ ان کے مقابلہ میں زید نے شروع میں پانچ ہزار جمع کرائے اور دس دن بعد وہ نکلوا لئے۔ آخر کے دس دنوں میں پانچ ہزار روپے پھر جمع کرا دیے۔

ان سودنوں کا سرمایہ ہوا.....سولہ لاکھ

یعنی عمر کے 5000 روپے × 100 دن = 500,000 (5 لاکھ)

اور بکر کے 10,000 روپے × 100 دن = 10,00,000 (10 لاکھ)

اور زید کے 5,000 روپے × 20 دن = 100,000 (1 لاکھ)

100 دن میں کل 16 لاکھ روپے استعمال میں رہے تو ایک دن میں 16 ہزار روپے استعمال میں رہے۔ اگر کل نفع 8000 روپے ہو تو یومیہ بنیاد کے حساب سے عمر کا نفع ہوا 2500 روپے اور بکر کا ہوا 5000 روپے اور زید کا ہوا 500 روپے۔ اب یہ ممکن ہے کہ 8000 روپے کا نفع درمیان کے انہی دنوں میں ہوا ہو اور شروع و آخر کے دس دس دنوں میں کچھ بھی نفع نہ ہوا ہو۔ زید کو بلا وجہ دوسروں کے سرمایوں پر ہونے والے نفع میں سے 500 روپے مل گئے۔ ایسے ہی نقصان کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

عمران اشرف صاحب اس اعتراض کا جواب یوں دیتے ہیں :

"This argument can be refuted on the ground that it is not necessary in a Musharakah that a partner should earn profit on his own money only.Once a Musharakah pool comes into existence all the participants,regardless of whether their money is or is not utilized in a particular transaction earn the profits accruing to the joint pool.This is particularly true of the Hanafi school,which does not deem it necessary for a valid Musharakah that the monetary contribution of the partners are mixed up together." (Islamic Banking:p178)

''ان علماء کی دی ہوئی دلیل کو اس بنیاد پر رد کیا جا سکتا ہے کہ مشارکہ میں یہ تو ضروری ہے ہی نہیں کہ

شریک صرف اپنے سرمایہ پر نفع کمائے۔ جب ایک دفعہ مشارکہ طے ہو جاتا ہے تو تمام ہی شرکاء اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ کسی خاص عقد میں ان کا سرمایہ استعمال ہوا ہے یا نہیں مشارکہ سے حاصل ہونے والے نفع میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر حنفیہ کے نزدیک زیادہ مؤثر ہے کیونکہ ان کے یہاں مشارکہ کے جواز کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ تمام شرکاء کے سرمایوں کو مخلوط کر دیا جائے۔''

ہم کہتے ہیں عمران اشرف صاحب کے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ مشارکت میں یہ ضروری نہیں کہ ہر شریک صرف اپنے سرمایہ پر نفع حاصل کرے۔ شراکت کے بعد اگرچہ صرف ایک شریک کا سرمایہ استعمال ہوا ہو لیکن نفع میں دیگر شرکاء بھی شریک ہوتے ہیں۔

عمران اشرف صاحب نے مشارکت کا ضابطہ تو بتایا لیکن وہ اس کا تجزیہ نہیں کر پائے کہ زید نے جب دس دن کے بعد اپنی رقم نکلوالی تو آیا شریعت کی نظر میں شراکت باقی بھی رہی یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح سے تو شراکت ہی ختم ہو جاتی ہے خصوصاً جب کہ Sleeping partner ہو اور وہ اپنا کل سرمایہ Active partner سے واپس لے لے۔ اگر کل سرمایہ واپس نہ لے نصف واپس نکلوالے تب بھی سابقہ مشارکت تو باطل ہو گئی کیونکہ سرمایوں کے نئے تناسب سے نئے عقد کی ضرورت ہوگی۔

غرض عمران اشرف صاحب کے تمام دلائل بے بنیاد ہیں۔ البتہ آخر میں وہ ایک اور دلیل دیتے ہیں جو آدمی کو غور کرنے پر مجبور کرتی ہے اور وہ یہ کہ یہ ایک جدید صورت ہے اور حدیث اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ کے تحت مسلمان اگر اس پر اتفاق کر لیں تو جبکہ کسی حرام کی تحلیل اور حلال کی تحریم لازم نہیں آتی اس کے اختیار سے کوئی مانع نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"In the proposed system,all the partners are treated at par.The profit of each partner is calculated on the basis of the period for which his money remained in the joint pool.There is no doubt that the aggregate profits accrued to the pool is generated by the joint utilization of different amounts contributed by the participants at different times.Therefore,if all of them agree with mutual consent to distribute the profits on daily products basis, there is no injunction of shariah which makes it

impermissible,rather it is covered under the general guidelines in the Holy Prophet صلی اللہ علیہ وسلم given by his famous hadith,as follows:"Muslims are bound by their mutual agreements unless they hold a permissible thing as prohibited or a prohibited thing as permissible."

''مجوزہ نظام میں تمام شرکاء سے یکساں معاملہ کیا جاتا ہے۔ ہر شریک کا نفع اس مدت کی بنیاد پر لگایا جاتا ہے جس میں اس کا سرمایہ مشترکہ کھاتہ میں جمع رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مشارکہ میں کل نفع مختلف اوقات میں جمع کرائی گئی مختلف رقموں کے استعمال سے حاصل ہوا ہے۔ اس لیے اگر سب کی اس پر باہمی رضامندی ہو کہ وہ یومیہ سرمایہ کی بنیاد پر آپس میں نفع تقسیم کریں گے تو شریعت کی کوئی نص ایسی نہیں ہے جو اس کو ناجائز قرار دیتی ہو بلکہ یہ تو نبی ﷺ کی ایک مشہور حدیث کہ مسلمان اپنی طے کی ہوئی شرطوں کے پابند ہیں جب تک وہ کسی حلال چیز کو حرام نہ کرلیں اور کسی حرام چیز کو حلال نہ کرلیں سے ثابت شدہ ضابطہ کے تحت داخل ہے۔''

لیکن ہم اُوپر بتا چکے ہیں کہ اس نظام کے تحت کسی اور کا حاصل کیا ہوا نفع دوسرے کو دے دیا جاتا ہے اور کسی اور کو ہونے والے نقصان کا کچھ حصہ دوسرے کے سر بھی ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ بات یقیناً جائز نہیں ہے۔ اس وجہ سے مذکورہ صورت کو حدیث اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ کا مصداق سمجھنا درست نہیں ہے۔

آخر میں عمران اشرف صاحب نہ جانے کیوں بینکوں اور بینکاروں سے مرعوب ہو کر لکھتے ہیں :

" If distribution on daily products basis is not accepted,it will mean that no partner can draw any amount nor can he inject new amounts to the joint pool. Similarly,no body will be able to subscribe to the joint pool except at the paticular dates of the commencement of a new term.This arrangement is totally impracticable on the deposit side of the banks and financial institutions where the accounts

are debited and credited by the depositors many times a day.The rejection of the concept of the daily products will compel them to wait for months before they deposit their surplus money in a profitable account. This will hinder the utilization of savings for development of industry and trade,and will keep the wheel of financial activities jammed for long periods.There is no other solution for this problem except to apply the method of daily products for the calculation of profits,and since there is no specific injunction of Shariah against it,there is no reason why this method should not be adopted."

''اگر یومیہ سرمایہ کی بنیاد پر نفع کی تقسیم کو قبول نہ کیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ نہ تو کوئی شریک کوئی رقم نکلوا سکتا ہے اور نہ ہی مشترکہ فنڈ میں کوئی نئی رقم شامل کی جاسکتی ہے۔اسی طرح کسی کے لیے بھی ممکن نہ ہوگا کہ وہ مشترکہ فنڈ میں رقم جمع کرا سکے سوائے نئی میعاد کے شروع ہونے کی مقررہ تاریخوں میں۔بینکوں اور مالیاتی اداروں میں بچت جمع کرانے کے اعتبار سے یہ طریقہ سرے سے ناقابلِ عمل ہے جہاں بچت کنندگان ایک دن میں کئی کئی بار پیسے جمع کراتے ہیں اور نکلواتے ہیں۔یومیہ سرمایہ کے تصور کو رد کر دینے سے بچت کنندگان مجبور ہوں گے کہ کسی نفع بخش کھاتہ میں فاضل سرمیہ جمع کرانے سے پہلے وہ مہینوں انتظار کریں۔یہ بات صنعت وتجارت کی ترقی کے لیے بچتوں کے استعمال سے مانع ہوگی اور اس طرح سے مالیاتی جدوجہد کے پہیے طویل مدتوں کے لیے بالکل جام ہو کر رہ جائیں گے۔اس مسئلہ کا اس کے علاوہ کوئی اور حل نہیں ہے کہ نفع کو معلوم کرنے کے لیے یومیہ سرمایہ کے طریقہ کو اختیار کیا جائے اور چونکہ اس کے خلاف شریعت کی کوئی نص موجود نہیں ہے لہٰذا اس کو اختیار نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

اُوپر یہ دکھانے کے بعد کہ یومیہ بنیادوں کا نظام واضح طور پر شریعت کے خلاف ہے ہمیں عمران اشرف صاحب کی اِس انوکھی تقریر پر کچھ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں سوائے اس کے کہ ''یہ کسی عام بینکر کی زبان کے الفاظ تو ہو سکتے ہیں ایک عالم دین اور اسلامی بینکر کے نہیں۔'' ☆☆☆(جاری ہے)

قسط : ۳، آخری

ہندوستان اور پاکستان کے علماء کرام نے جہاں موجودہ دور کے اقتصادی اور معاشی نظام میں غلط اور حرام چیزوں کی نشاندہی فرمائی ہے وہیں اسلامی قوانین کی روشنی میں ان کی جائز اور قابلِ عمل متبادل صورتیں بھی پیش فرمائی ہیں جس سے مغرب کے ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں مزید کھل کر سامنے آجاتی ہیں اور اسلام کے اقتصادی نظام کی ہمہ جہتی بھی خوب اُجاگر ہوجاتی ہے اس موضوع کی مخصوص اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ادارہ اسلامی اقتصادی اور بینکاری کے ماہر علماء کرام کو اپنی قیمتی تحقیق اور تجاویز کو منظرِ عام پر لانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرنا ہے تاکہ اس کا دائرہ وسیع ہو کر اس کے مخفی گوشوں کو مزید اُجاگر کردے تاکہ وہ ایک دوسرے کے نکتہ نظر سے آگاہ ہوسکیں اور آراء کا باہمی اختلاف کم سے کم ہو کر یک جہتی پیدا کردے اور خوب سے خوب تر کا حصول آسان ہوجائے۔

زیرِ نظر مضمون جامعہ مدنیہ لاہور کے مفتی حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم کا تحریر کردہ ہے اور موجودہ دور میں جدید اسلامی بینکاری سے متعلق ہے۔ ادارہ دیگر اہلِ علم کی اسلامی اقتصادی اور معاشی تحقیقات کو بھی منظرِ عام پر لانے کی خدمت میں خوشی محسوس کرے گا۔ (ادارہ)

پاکستان میں رائج کردہ اسلامی بینکاری کے چند واجبِ اصلاح اُمور

﴿ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالوحد صاحب ﴾

5۔ انشورنس اور تکافل :

میزان بنک جو کہ "The Premier Islamic Bank" ہونے کا مدعی ہے اور جس کے شرعی مشیر مولوی عمران اشرف صاحب ہیں، کا راجارہ کی سکیم میں انشورنس کو اختیار کرتا ہے اگرچہ وہ اپنے ہی نام پر خود انشورنس کرواتا ہے اور انشورنس کو بامرِ مجبوری اختیار کرتا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ تکافل کا نظام قائم ہونے پر انشورنس کو تکافل سے بدل لیا جائے گا۔

انشورنس تو یقیناً ناجائز ہے۔ اسلامی بینکاری کو خواہ کتنی ہی مجبوری سمجھ کر اور جزوی طور پر سہی انشورنس پر چلانا ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ گاہک جو کار وغیرہ کو اجارہ پر لیتا ہے بینک کے انشورنس میں مبتلا ہونے کا سبب بنتا ہے اور چونکہ اس کو علم

ہے کہ بینک ایسا کرے گا تو سبب بننے کی وجہ سے وہ بھی گناہ سے نہ بچ سکے گا۔

رہا تکافل کا نظام تو عمران اشرف صاحب لکھتے ہیں :

" If the leased property is insured under the Islamic mode of Takaful,it should be at the expense of the lessor and not at the expense of the lessee,as is generally provided in the agreements of the current financial leases."(Islamic Banking:p.158)

''اگر اجارہ پر دیے ہوئے سامان کی اسلامی طریقہ تکافل کے تحت انشورنس کی گئی ہو تو اس کا خرچہ اجارہ پر دینے والے کے ذمہ ہوگا نہ کہ لینے والے کے ذمہ جیسا کہ موجودہ مروجہ مالیاتی اجاروں میں ہو رہا ہے۔''

دارلعلوم کراچی کی مجلس تحقیق کی جانب سے ''تکافل کا نظام'' جو تجویز کیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے :

(1) (i) تکافل کمپنی کے حصہ دار (یا مساہمین) اپنے طور پر غیر منقولہ یا منقولہ یا دونوں قسم کی جائیداد وقف کریں جن کو محفوظ رکھا جائے گا اور ان کی آخری جہت قربت یعنی فقراء و مساکین پر صدقہ ہوگی۔

(ii) یہ حصہ دار تکافل فنڈ کے متولی بھی ہوں گے اور اس فنڈ کا انتظام و انصرام کریں گے اور اس پر اسی فنڈ میں سے متعین اُجرت وصول کریں گے خواہ متعین رقم کی صورت میں یا حصہ متناسبہ کی صورت میں۔

(iii) پھر یہی حصہ دار اور متولی تکافل فنڈ کے لیے بطورِ مضارب بھی کام کر سکتے ہیں اور مضاربت کے نفع میں سے اپنا حصہ بھی لے سکتے ہیں۔

(2) پالیسی ہولڈر (یا حاملۃ الوثائق) پریمیم کی طرح جو رقم جمع کرائیں گے وہ بھی تکافل فنڈ میں جمع ہو کر وقف ہوگی۔

(3) وقف کے اپنے قواعد وضوابط میں یہ شامل ہوگا کہ حاملین وثائق یعنی پالیسی ہولڈروں میں سے جو جتنی رقم وقف میں جمع کرائے گا اسی کے حساب سے وقف فنڈ (یعنی تکافل فنڈ) میں سے اس کے ہونے والے نقصان کی تلافی کی جائے گی۔

(4) نقصان کی صورت میں پالیسی ہولڈر اپنے سابقہ دیے ہوئے چندوں (یعنی ادا کیے ہوئے پریمیم) کی بنیاد پر اپنے نقصان کی تلافی کا دعوٰی نہ کرے بلکہ یوں دعوٰی کرے کہ میں وقف کے قواعد وضوابط کی بنیاد پر وقف کی طرف سے نقصان کی تلافی کا حقدار ہوں۔ (ماخوذ از کارروائی مجلس برائے غور وفکر ''شرکۃ التکافل'') دارالعلوم کراچی دسمبر 2002ء

ہم کہتے ہیں اس نظام میں دو سقم ہیں :

(1) حصہ دار جو خود واقف بھی ہیں اور متولی بھی ہیں وہ خود ہی مضارب بھی بن جاتے ہیں حالانکہ مضاربت تو دو فریقوں کے درمیان عقد ہوتا ہے جس میں ایک کی جانب سے مال ہوتا ہے اور دوسرے کی جانب سے عمل ہوتا ہے۔ چونکہ حصہ دار وقف کے اور تکافل فنڈ کے متولی ہیں لہٰذا وہ رب المال کے حکم میں ہیں وہ مضارب نہیں بن سکتے۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ تکافل کمپنی تو خود ایک person ہے لہٰذا اس کو رب المال سمجھ کر متولی مضارب بن سکتا ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ کمپنی بذاتِ خود ایک معنوی شخصیت ہے حقیقی نہیں جو کسی قسم کا ایجاب وقبول یا کسی قسم کا تصرف کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ متولی اس کی نمائندگی کرتا ہے اور اس کو Represent کرتا ہے لہٰذا وہ رب المال کا کردار تو ادا کرسکتا ہے لیکن مضارب نہیں بن سکتا۔

(2) حاملین وثائق ظاہر ہے کہ پریمیم یا چندہ اسی نیت سے دیں گے کہ نقصان کی صورت میں اس کا ازالہ ہو سکے گا۔ اس نیت کے ہوتے ہوئے اس چندے یا پریمیم کے وقف کرنے کی نیت خالص نہ رہے گی۔ رہا یہ خیال کہ واقف کوئی چیز وقف کرتے وقت اس سے خود نفع اُٹھانے کی نیت کرے تو شریعت میں یہ جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں باتوں میں بہت فرق ہے۔ خود نفع اُٹھانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ یہ خود بھی اور دیگر لوگ بھی اس سے نفع اُٹھاتے ہوں **یکون دلوہ فیہ کدلاء المسلمین** اور دوسری یہ کہ اپنی موت تک خود نفع اُٹھائے بعد میں فقراء کے لیے ہو۔ ان دونوں صورتوں میں فقراء کے لیے وقف جب اور جتنا ہے وہ بلا مزاحم ہے اور نیت میں کچھ خلل نہیں آتا جبکہ زیرِ بحث صورت میں آدمی بظاہر وقف کر رہا ہے لیکن یہ نیت ناگزیر ہے اور مزاحم ہے کہ میں یہ اپنے نقصان کے تدارک کے لیے وقف فنڈ میں رقم جمع کر رہا ہوں اور بوقتِ ضرورت جمع کرائی ہوئی رقم سے کہیں زیادہ تدارک حاصل ہوگا۔ اور جب نیت کے خلوص میں فرق آئے گا تو تمہارا اپنی صورت دکھائے گا۔

یہ کہنا کہ پالیسی ہولڈر کا دینا محض تبرع ہے اور لینا وقف کے قواعد کے تحت ہے تو ایسا امتیاز کتابوں کی حد تک تو ہو سکتا ہے عوام کا اپنی نیتوں میں اس کا امتیاز کرنا اور اس کو برقرار رکھنا عملی اعتبار سے تقریباً ناممکن ہے۔

ہنڈی(Bill of Exchange) کا مسئلہ :

اسی طرح کی خرابی اس تدبیر میں بھی پائی جاتی ہے جو Bill of Exchange کے سلسلہ میں بتائی گئی ہے عمران اشرف صاحب لکھتے ہیں :

" The exporter with the bill of exchange can appoint the bank as his agent to collect receivable on his behalf.The bank can charge a fee for this service and can provide interest fee loan to the exporter which is equal to the amount of the bill,and the exporter will give his consent to the bank that it can keep the amount received from the bill as a payment of the loan.

Here two processes are separated and thus two agreements will be made.One will authorize the bank to collect the loan on his behalf as an agent,for which he will charge a particular fee. The second agreement will provide interest free loan to the exporter,and authorize the bank for keeping the amount received through bill as a payment for loan.

These agreements are correct and allowed according to Shariah because collecting fee for service and giving interest free loan is permissible." (Islamic Banking:pp198/199)

''برآمد کنندہ جس کے پاس ہنڈی ہے وہ بینک کو اپنا وکیل بنا سکتا ہے تا کہ وہ اس کی طرف سے رقم وصول کرے۔اس کام کے لیے بینک اُجرت وصول کرسکتا ہے اور ساتھ ہی برآمد کنندہ کو اتنی رقم کا غیر سودی قرضہ جاری کرسکتا ہے جو ہنڈی کی رقم کے برابر ہو۔ نیز برآمد کنندہ بینک کو اپنی یہ

رضامندی دے سکتا ہے کہ وہ ہنڈی کی رقم وصول ہونے پر اس کو قرض کی واپسی میں شمار کرلے۔
یہاں دو جدا جدا عمل ہیں لہٰذا معاہدے بھی دو ہوں گے۔ایک معاہدے کے تحت بینک کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ ہنڈی کی رقم برآمد کنندہ کے لیے وصول کرے اور اِس پر مخصوص اُجرت لے۔دوسرے معاہدے کے تحت بینک برآمد کنندہ کو غیر سودی قرضہ مہیا کرے گا نیز بنک کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ ہنڈی کی رقم اپنے قرض کی واپسی میں رکھ لے۔
یہ معاہدے شریعت کی رو سے درست اور جائز ہیں کیونکہ کسی خدمت پر اُجرت لینا بھی جائز ہے اور غیر سودی قرضہ دینا بھی جائز ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہنڈی یعنی (Bill of Exchange) کو مثلاً برآمد کنندہ بینک کے پاس لے جائے جو رقم کی وصولی کے لیے برآمد کنندہ سے اپنی فیس وصول کرے۔البتہ بینک برآمد کنندہ کو علیحدہ سے بل کی رقم کے برابر غیر سودی قرضہ بھی دے۔یہ دو معاملات علیحدہ علیحدہ کیے جائیں۔

یہ تدبیر بالکل غیر مناسب ہے کیونکہ ان دو معاملات کو علیحدہ علیحدہ کرنے کے باوجود ان میں وہ خرابی موجود رہتی ہے جو ان کے اکٹھے ہونے میں سمجھی گئی ہے۔وہ اس طرح سے کہ بینک کی پالیسی کو قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے جس پر اُس کا مواخذہ ہوسکتا ہے لہٰذا برآمد کنندہ جب اپنے بل کی وصولی کے لیے فیس اور اُجرت دے گا تو قانونی طور پر بینک قرضہ وصول کرسکتا ہے گویا قانونی اعتبار سے اجارہ قرض کے ساتھ مشروط ہوسکتا ہے۔یہ شرط اس طرح کی نہیں جس پر فریقین نے پہلے سمجھوتہ کرلیا ہو اور عقد میں اس کو ذکر نہ کیا ہو کیونکہ اس شرط کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہوتی علاوہ ازیں **المعروف کالمشروط** کا قاعدہ بھی یہاں چلتا ہے لہٰذا اجارہ فاسد ہوگا۔

❁❁❁

اپیل برائے دُعائے صحت

جامعہ مدنیہ کے سابق مفتی وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب دامت برکاتہم طویل عرصہ سے شدید علیل ہیں۔قارئین کرام سے دُعاءِ صحت کی خصوصی درخواست کی جاتی ہے۔(ادارہ)

❁❁❁